

INFLUENCE OF DELHI SCHOOL ON THE PROSE AND POETIC STYLES OF URDU LITERATURE

اردو کے نثری و شعری اسالیب پر دبستانِ دہلی کے اثرات

Dr. Muhammad Arif

(Associate Professor, HOD Urdu; Ibadat International University, Islamabad)

Noreen Begum (Lecturer Urdu, University of Kotli. Azad Jammu & Kashmir)

ڈاکٹر محمد عارف (ایسوسی ایٹ پروفیسر، صدر شعبہ اردو، عبادت انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد)

نورین بیگم (لیکچرار شعبہ اردو، یونیورسٹی آف کوٹلی، آزاد جموں و کشمیر)

Abstract

This research article presents a critical and analytical study of the influence of the Delhi School (Dabistan-e-Dehli) on the poetic and prose styles of Urdu literature. The Delhi School occupies a foundational position in the history of Urdu literature because it provided Urdu language and literature with a refined aesthetic sensibility, intellectual depth, and cultural consciousness. The study particularly focuses on the two most distinguished characteristics of the Delhi School: simplicity and emotional depth (soz-o-gudaz), and examines how these elements shaped the stylistic, thematic, and linguistic structure of Urdu prose and poetry.

The article explores the historical, cultural, and spiritual background of Delhi, highlighting the impact of Sufi traditions, political decline, and collective social experiences on the literary temperament of the school. It argues that the literature of Delhi is deeply rooted in inwardness, restraint, dignity, and spiritual sensitivity. Unlike superficial ornamentation, the simplicity of the Delhi School emerges as a conscious aesthetic principle that values clarity of meaning, natural expression, and emotional sincerity.

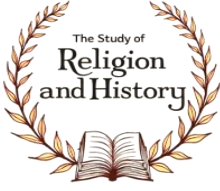
The research further analyzes how the tradition of emotional refinement and subdued sorrow became a defining feature of Urdu ghazal, particularly in the poetry of Mir Taqi Mir and Mirza Ghalib. Their poetry transformed love, pain, and existential anxiety into profound human experiences expressed through simple yet deeply meaningful language. In prose, the influence of the Delhi School can be observed in the writings of Mir Amman, Sir Syed Ahmad Khan, Ghalib's letters, and other prose writers who established simplicity, conversational fluency, and cultural elegance as essential features of Urdu prose.

This study also provides a comparative perspective between the Delhi and Lucknow schools, emphasizing that while Lucknow preferred external beauty, elegance, and stylistic embellishment, the Delhi School remained committed to inwardness, restraint, and intellectual seriousness. The article concludes that the Delhi School not only shaped the linguistic and stylistic foundations of Urdu literature but also enriched it with a lasting cultural and philosophical consciousness that continues to influence Urdu literary traditions.

Keywords

Dabistan-e-Dehli, Urdu Literature, Urdu Poetry, Urdu Prose, Simplicity, Soz-o-Gudaz, Delhi School, Literary Criticism, Urdu Ghazal, Cultural Consciousness, Aesthetics, Mir Taqi Mir, Mirza Ghalib, Urdu Prose Style, Literary Tradition.

اردو ادب کی تاریخ دراصل برصغیر کے تہذیبی شعور، تاریخی تغیرات اور انسانی احساسات کی تاریخ ہے، اور اس تاریخ میں دبستانِ دہلی کو وہی مقام حاصل ہے جو کسی عظیم دریا کے منبع کو حاصل ہوتا ہے۔ یہی وہ تہذیبی سرچشمہ ہے جہاں اردو زبان نے پہلی بار اپنے باطن کی آواز کو ایک مہذب، سنجیدہ اور فکری آہنگ عطا کیا۔ دہلی صرف ایک شہر نہ تھا بلکہ صدیوں کے تہذیبی وقار، روحانی روایت، سیاسی عظمت اور تاریخی المیوں کا ایسا مرکز تھا جس نے انسانی تجربے کو نہایت گہرائی کے ساتھ محسوس کیا اور پھر اسے ادب کے قالب میں ڈھال دیا۔ اسی لیے دبستانِ دہلی کی ادبی روایت محض لفظوں کی آرائش یا شعری صنایع کا نام نہیں بلکہ ایک ایسے تہذیبی شعور کی نمائندہ ہے جس میں زندگی کی ناپائیداری، انسان کی داخلی تنہائی، روحانی جستجو اور تاریخی کرب ایک دوسرے میں مدغم دکھائی دیتے ہیں۔



دہلی کی فضا میں صوفیانہ انسان دوستی، درویشانہ وقار اور سلطانی جاہ و جلال ایک ساتھ سانس لیتے رہے۔ خائفانوں کی نرم روشنی، درباروں کی شان، اجڑے ہوئے کوچوں کی خاموشی اور زوال آشتا تاریخ کے طبع نے یہاں کے انسان کے باطن میں ایک ایسا حزن پیدا کیا جو چھ کر نہیں بلکہ خاموشی کے وقار کے ساتھ بولتا ہے۔ یہی خاموشی اور مہذب کرب آگے چل کر دبستان دہلی کی شاعری اور نثر میں سوز و گداز کی صورت جلوہ گر ہوا۔ یہاں غم محض جذباتی اظہار نہیں بلکہ ایک تہذیبی تجربہ ہے، اور محبت محض عشقیہ واردات نہیں بلکہ انسانی وجود کی داخلی شکست و ریخت کی علامت بن جاتی ہے۔

دبستان دہلی کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کی سادگی ہے، مگر یہ سادگی سطحی یا عام فہم اظہار کی سادگی نہیں بلکہ تہذیبی ریاضت سے پیدا ہونے والی وہ فنی شفافیت ہے جس میں لفظ اپنی نمود کھو کر معنی کی روشنی میں جذب ہو جاتا ہے۔ دہلی کے شعر اور ادب نے تصنع، مبالغہ اور لفظی بازی گری کے بجائے احساس کی صداقت اور اظہار کی بے ساختگی کو اہمیت دی۔ یہی سبب ہے کہ ان کے ہاں زبان میں نرم آہنگی، محاوراتی سلاست اور فکری وقار ایک ساتھ دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں لفظ شور نہیں مچاتے بلکہ خاموشی کے ساتھ دل میں اترتے ہیں۔

دوسری جانب سوز و گداز دبستان دہلی کی روح ہے۔ یہ وہ داخلی کیفیت ہے جو تاریخ کے زخموں، انسانی محرومیوں اور روحانی اضطراب سے جنم لیتی ہے۔ دہلی نے عروج بھی دیکھا اور زوال بھی؛ جشن بھی دیکھے اور ویرانیاں بھی۔ یہی تاریخی شعور اس کے ادب میں ایک ایسے کرب کی صورت ظاہر ہوا جس میں ضبط، وقار اور فکری گہرائی نمایاں ہیں۔ میر کی آہ، غالب کی شکستہ دلی اور دہلی کے نثر نگاروں کی تہذیبی سنجیدگی دراصل اسی داخلی سوز کے مختلف مظاہر ہیں۔

زیر نظر مقالے میں دبستان دہلی کی انھی دو بنیادی خصوصیات — سادگی اور سوز و گداز — کا نثری و شعری اسلوب پر اطلاقی و تنقیدی مطالعہ پیش کیا جائے گا، تاکہ یہ واضح کیا جاسکے کہ دہلی کی ادبی روایت نے اردو ادب کے مزاج، زبان اور جمالیات کو کس حد تک متاثر کیا۔ اس تحقیق کا بنیادی مقصد یہ سمجھنا ہے کہ دہلی کی تہذیبی فضا، صوفیانہ روایت، تاریخی شعور اور اجتماعی تجربات نے اردو کے شعری و نثری اسلوب کو کس طرح ایک منفرد داخلی آہنگ عطا کیا، اور کیوں دبستان دہلی آج بھی اردو ادب کی فکری اور جمالیاتی اساس تصور کیا جاتا ہے۔

دبستان دہلی اردو ادب کی تاریخ میں محض ایک ادبی روایت یا شعری دبستان نہیں بلکہ ایک مکمل تہذیبی، روحانی اور فکری کائنات کی حیثیت رکھتا ہے۔ دہلی صدیوں تک ہندوستان کی سیاسی عظمت، تہذیبی شکوہ، علمی روایت اور روحانی مرکزیت کا استعارہ رہی۔ اس شہر نے سلطنتوں کے عروج کی آب و تاب بھی دیکھی اور زوال کی ویران خاموشی بھی؛ خائفانوں کی روحانی روشنی بھی اپنے دامن میں سمیٹی اور اجڑے ہوئے کوچوں کی اداس گرد بھی۔ یہی تضادات، یہی تاریخی نشیب و فراز، اور یہی تہذیبی تجربات آگے چل کر دبستان دہلی کی فکری و جمالیاتی اساس بنے۔

دہلی کی تہذیب کی جڑیں صوفیانہ روایت میں پیوست تھیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء، حضرت قطب الدین بختیار کاکی اور دیگر اولیائے کرام کی خائفانوں نے اس شہر کے مزاج میں انسان دوستی، تحمل، رواداری اور باطنی پاکیزگی کو اس طرح جذب کر دیا کہ یہ اقدار صرف مذہبی تعلیمات تک محدود نہ رہیں بلکہ دہلی کی اجتماعی زندگی اور ادبی شعور کا حصہ بن گئیں۔ دہلی کے کوچوں میں درویشی اور وقار ساتھ ساتھ چلتے تھے؛ یہاں فقر نے اقتدار کے غرور کو نرم کیا اور روحانیت نے تہذیب کو ایک باطنی جمال عطا کیا۔

اسی روحانی فضا کے ساتھ دہلی نے مغلیہ سلطنت کے جاہ و جلال کو بھی دیکھا۔ لال قلعے کی عظمت، شاہی درباروں کی چمک، علم و فن کی محفلیں، اور تہذیبی آداب کی نزاکت اس شہر کی شناخت بن گئے۔ مگر دہلی کی تہذیب کا اصل حسن یہ تھا کہ یہاں سلطانی شان بھی درویشی مزاج سے الگ نہ ہو سکی۔ بادشاہ بھی صوفیائے آستانوں پر سر جھکاتے تھے اور امرا بھی فانیذیری کے احساس سے بے خبر نہ تھے۔ یہی شعور آگے چل کر دہلی کے ادب میں ایک ایسی سنجیدگی اور داخلی وقار کی صورت ظاہر ہوا جس میں زندگی کی ناپائیداری کا احساس ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ مگر دہلی کی تاریخ صرف عروج کی داستان نہیں بلکہ زوال کے المیوں سے بھی عبارت ہے۔ نادر شاہ کی یلغار، احمد شاہ ابدالی کے حملے، مغلیہ سلطنت کی شکست و ریخت، اور بالخصوص 1857ء کا سانحہ اس شہر کی روح پر ایسے زخم چھوڑ گئے جن کی بازگشت دہلی کے ادب میں مدتوں سنائی دیتی رہی۔ اجڑے ہوئے بازار، خاموش حویلیاں، بکھرتے ہوئے خاندان اور تہذیبی انہدام کے یہ مناظر دہلی کے حساس ذہن کو ایک دائمی کرب عطا کر گئے۔ یہی کرب آگے چل کر سوز و گداز کی صورت ادب میں ڈھل گیا۔

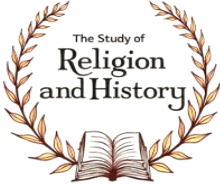
دہستانِ دہلی کی فکر اسی تاریخی اور تہذیبی تجربے کی پیداوار ہے۔ یہاں شاعر اور ادیب خارجی رنگینیوں کے بجائے انسان کے داخلی احساسات کو موضوع بناتے ہیں۔ ان کے ہاں زندگی محض ظاہری واقعات کا سلسلہ نہیں بلکہ روحانی اضطراب، انسانی بے بسی اور باطنی تجربے کی ایک پیچیدہ کیفیت ہے۔ اسی لیے دہلی کے ادب میں داخلیت، خود آگہی، حزن، ضبط اور فکری سنجیدگی بنیادی عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دہلی کا ادبی شعور تصوف، اخلاقیات اور انسانی تجربے کے گہرے ادراک سے تشکیل پاتا ہے۔ یہاں انسان اپنی محرومیوں اور شکستوں کے باوجود وقار سے جینا سیکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دہلی کے ادب میں غم شوریدہ سری کی صورت اختیار نہیں کرتا بلکہ تہذیب یافتہ خاموشی میں ڈھل جاتا ہے۔ اس ادب میں دکھ چیخا نہیں بلکہ دھیرے دھیرے قاری کے دل میں اترتا ہے۔ یہی داخلی نرمی اور تہذیبی شائستگی دہستانِ دہلی کو اردو ادب کی دیگر روایتوں سے ممتاز کرتی ہے۔ دہلی کی تہذیبی فضا نے زبان کو بھی ایک خاص مزاج عطا کیا۔ یہاں کی زبان میں نہ صرف محاورے کی مٹھاس اور روزمرہ کی روانی موجود ہے بلکہ ایک تہذیبی وقار اور نرم آہنگی بھی پائی جاتی ہے۔ دہلی کے شعر اور نثر نگاروں نے لفظوں کو آرائش کا سامان بنانے کے بجائے احساس اور معنی کی ترسیل کا وسیلہ بنایا۔ یہی سبب ہے کہ دہلی کا اسلوب بظاہر سادہ ہونے کے باوجود اپنے اندر گہری معنویت اور تہذیبی تہہ داری رکھتا ہے۔

یوں دہستانِ دہلی دراصل ایک ایسے تہذیبی شعور کی نمائندگی کرتا ہے جس میں صوفیانہ انسان دوستی، تاریخی المیہ، داخلی کرب، تہذیبی وقار اور فکری سنجیدگی ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو کر اردو ادب کو ایک منفرد جمالیاتی اور فکری شناخت عطا کرتے ہیں۔ یہی عناصر دہلی کے شعری و نثری اسلوب کو نہ صرف اثر انگیز بناتے ہیں بلکہ اسے اردو ادب کی ایک دائمی اور بنیادی روایت کے طور پر مستحکم بھی کرتے ہیں۔

سید ابوالخیر کشفی دہلی میں اصفیاء اور خانقاہی نظام کے بارے لکھتے ہیں کہ:

"تصوف نے ایک طرف تو اردو کے شاعروں کو اعلیٰ اقدار حیات سے وابستہ رکھا اور دوسری طرف نیم مذہبی تقریبات کی مدد سے لوگوں کو شاہد بازی اور ایسے ہی دوسرے مشاغل سے باز رکھا۔ اگر ایک طرف تربیتی کمپ کا درجہ رکھتی تھی تو دوسری طرف یہ ارباب اقتدار کے خلاف صوفیوں کے رد عمل کی علامت بھی تھیں۔" (1) اسی صوفیانہ فضا کے ساتھ دہلی کی تہذیب نے درباری شان و شوکت اور سیاسی اقتدار کے مظاہر بھی اپنی آنکھوں سے دیکھے، مگر یہ اقتدار کبھی غرور اور استبداد کی صورت اختیار نہ کر سکا، کیونکہ درویشی مزاج اور فقر کا شعور اس کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ مغلیہ دربار کی جاہ و جلال، فن تعمیر اور تہذیبی آداب کے باوجود بادشاہوں اور امرا کا صوفیا کے آستانوں پر جھکنا اس حقیقت کی علامت ہے کہ دہلی میں اقتدار کو ہمیشہ ناپائیدار اور عارضی سمجھا گیا۔ یہی شعور بعد ازاں اس شہر کے ادب اور ذہنی ساخت میں بھی سرایت کر گیا، جہاں شاہانہ وقار اور درویشانہ بے نیازی ایک ہی تہذیبی سانچے میں ڈھل گئے۔ مزید برآں دہلی کی تہذیب نے تاریخ کے عروج و زوال کو محض کتابی حوالوں کے طور پر نہیں بلکہ براہ راست اجتماعی تجربے کے طور پر جیا۔ بار بار کی تباہ کاریوں، سیاسی انتشار، حملہ آوروں کی یلغار اور خصوصاً 1857ء کے سانحے نے اس شہر کے مزاج میں ایک مستقل حزن، سنجیدگی اور تاریخی آگہی پیدا کر دی۔ یہی سبب ہے کہ دہلی کے ادب میں جذباتی ہیجان کے بجائے تہذیبی وقار اور داخلی ضبط نمایاں نظر آتا ہے۔ یوں دہلی کی تہذیب ایک ایسی زندہ روایت کی صورت اختیار کرتی ہے جو صوفیانہ انسان دوستی، درباری وقار اور تاریخی المیہ کے امتزاج سے تشکیل پاتی ہے۔

دہستانِ دہلی کی سب سے دل آویز اور بنیادی خصوصیت اس کی سادگی ہے، مگر یہ سادگی محض آسان بیانی یا لفظی اختصار کا نام نہیں بلکہ ایک گہرا جمالیاتی اور تہذیبی شعور ہے جو برسوں کی فکری ریاضت، روحانی تہذیب اور داخلی تجربے سے جنم لیتا ہے۔ دہلی کے ادبی مزاج میں سادگی ایک ایسی خاموش روشنی کی مانند ہے جو شور کے بغیر دل و ذہن کو منور کرتی ہے۔ یہاں لفظ اپنی نمائش سے دست بردار ہو کر معنی کی خدمت میں مصروف دکھائی دیتا ہے، اور اظہار اپنی تمام تر بے ساختگی کے باوجود ایک تہذیبی وقار کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔ دہلی کے شعر اور ادبانے شعوری طور پر اس تصنع، لفظی آرائش اور مبالغہ آمیز صنعت گری سے گریز کیا جو معنی کو پس منظر میں دھکیل دیتی ہے۔ ان کے نزدیک ادب کا مقصد قاری کو الفاظ کی چمک دھمک سے مرعوب کرنا نہیں بلکہ انسانی احساس کی صداقت کو اس کی اصل تاثیر کے ساتھ متغزل کرنا تھا۔ یہی سبب ہے کہ دہستانِ دہلی کے ہاں زبان میں ایک فطری روانی، محاوراتی شیرینی اور نرم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے، جو پڑھنے والے کے دل پر آہستگی سے اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ سادگی دراصل تہذیبی شعور کی وہ لطیف صورت ہے جس میں اظہار اپنی مصنوعی آرائش کو انسانیت کے تجربے کے زیادہ قریب آ جاتا ہے۔ دہلی کے ادیب جانتے تھے کہ اصل حسن شور میں نہیں بلکہ وقار میں ہے؛ اصل تاثیر لفظوں کے ہجوم میں نہیں بلکہ ان کے پس پردہ چھپی ہوئی معنویت میں ہے۔ اسی لیے ان کے ہاں زبان میں ایک ایسی شائستہ خاموشی ملتی ہے جو بظاہر سادہ مگر باطن میں نہایت گہری اور اثر انگیز ہوتی ہے۔ دہستانِ دہلی کی سادگی کا سرچشمہ اس شہر کی صوفیانہ روایت اور تہذیبی وقار بھی ہے۔ خانقاہوں کی نرم فضا، درویشانہ مزاج، اور زندگی کی ناپائیداری کے احساس نے دہلی کے ادیب کو اس حقیقت سے آشنا کر دیا تھا کہ تصنع وقتی کشش تو پیدا کر سکتا ہے



مگردل کی گہرائیوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ دہلی کے شعری و نثری اسلوب میں ایک ایسی بے ساختگی پیدا ہوئی جس میں تکلف کے بجائے صداقت اور آرائش کے بجائے تاثیر کو اہمیت حاصل رہی۔

ڈاکٹر سید عابد علی عابد دہلی کی سادگی کے بارے لکھتے ہیں کہ:

"اردو نثر نگاروں میں غالب کے بعض خطوط اور حالی کی نثر کے بعض حصے، سرسید کے مضامین اور مکتوبات سادگی کی نہایت اچھی مثالیں ہیں۔۔۔۔۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں یہ بات خاص طور پر شاعری میں نظر آتی ہے، میر اور غالب اس فنکاری اور کمال صنعت گری کے محرم اصرار اور رازدار ہیں۔" (2)

یہ اقتباس اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ دہلی کی سادگی دراصل ایک اعلیٰ درجے کی فنی ریاضت ہے۔ یہ وہ سادگی نہیں جو فکری کم مائیگی سے پیدا ہو بلکہ وہ سادگی ہے جو معنی کی پختگی، احساس کی گہرائی اور فن کی کامل مہارت کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ میر کے ہاں یہی سادگی درد کو زیادہ اثر انگیز بنادیتی ہے، اور غالب کے ہاں یہی بے ساختگی فلسفہ کو زندگی کے تجربے سے قریب تر کر دیتی ہے۔

دہلی کے ادبی اسلوب میں زبان نہ خطیبانہ بلند آہنگی اختیار کرتی ہے اور نہ ہی پیچیدہ لفظیات کی دبیز تہوں میں چھپتی ہے، بلکہ زندگی کے عام تجربات سے اٹھ کر فن کی سطح تک پہنچتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دبستانِ دہلی کی سادگی میں ایک عجیب تہذیبی وقار اور روحانی لطافت محسوس ہوتی ہے۔ یہاں لفظ نرم لہجے میں بولتے ہیں، معنی خاموشی سے دل میں اترتے ہیں، اور احساس بغیر کسی ظاہری شور کے قاری کے باطن میں اپنی جگہ بنالیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دبستانِ دہلی کی سادگی اس کی سب سے بڑی فنی قوت ہے۔ یہی سادگی زبان کو تصنع سے نجات دلاتی ہے، احساس کو صداقت عطا کرتی ہے، اور ادب کو انسانی تجربے کے زیادہ قریب لے آتی ہے۔ یوں دہلی کی سادگی محض اسلوبی وصف نہیں بلکہ ایک مکمل جمالیاتی اور تہذیبی رویہ بن جاتی ہے، جس نے اردو ادب کو وقار، شائستگی اور فکری گہرائی عطا کی۔

دبستانِ دہلی کی ادبی روایت کا سب سے گہرا اثر آفریں پہلو اس کا سوز و گداز ہے۔ یہ سوز محض غم انگیزی یا جذباتی ہیجان کا نام نہیں بلکہ ایک ایسے تہذیبی اور روحانی تجربے کی علامت ہے جو صدیوں کے تاریخی نشیب و فراز، انسانی محرومیوں، داخلی شکست و ریخت اور باطنی آگہی سے جنم لیتا ہے۔ دہلی کی فضا میں ایک عجیب طرح کی اداس وقار آمیزی پائی جاتی ہے؛ یہاں خوشی بھی تہذیب کے دائرے میں رہتی ہے اور غم بھی چچ و پکار کے بجائے خاموشی کے وقار میں ڈھل جاتا ہے۔ یہی خاموش، مہذب اور باطنی کرب دبستانِ دہلی کے شعری و نثری اسلوب میں سوز و گداز کی صورت جلوہ گر ہوتا ہے۔

دہلی نے سلطنتوں کے عروج کی چمک بھی دیکھی اور ان کے زوال کی گرد بھی۔ اس شہر نے فاتحین کے جلوس بھی دیکھے اور اجڑی ہوئی بستیوں کی خاموشیاں بھی۔ نادر شاہ کی خون آشام یلغار، احمد شاہ ابدالی کے حملے، مغلیہ سلطنت کی ٹوٹ پھوٹ، اور 1857ء کے بعد دہلی کی تہذیبی بربادی نے یہاں کے حساس ذہن کو ایک دائمی کرب عطا کیا۔ یہی تاریخی المیہ آگے چل کر دہلی کے ادب میں ایک ایسے حزن کی صورت ظاہر ہوا جس میں شدتِ احساس تو موجود ہے مگر اظہار میں تہذیب، ضبط اور فکری سنجیدگی برقرار رہتی ہے۔

دبستانِ دہلی کے شعرا کے ہاں غم محض ذاتی واردات نہیں بلکہ انسانی وجود کی ایک آفاقی کیفیت بن جاتا ہے۔ یہاں عشق بھی صرف محبوب کی زلف و رخسار کا بیان نہیں بلکہ انسان کی داخلی تنہائی، محرومی اور روحانی بے قراری کی علامت بن جاتا ہے۔ اسی لیے دہلی کی غزل میں محبوب اکثر ایک علامت کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور عشق انسانی باطن کے اضطراب کا استعارہ بن جاتا ہے۔ میر کے ہاں یہی سوز ایک ایسی خاموش آہ کی شکل اختیار کرتا ہے جو لفظوں کے درمیان سانس لیتی محسوس ہوتی ہے، جبکہ غالب کے ہاں یہی کرب فلسفیانہ شعور اور وجودی سوالات کے قالب میں ڈھل جاتا ہے۔

دہلی کا سوز اپنی اصل میں ضبط شدہ ہے۔ یہاں جذبات اپنی شدت کے باوجود تہذیب کے دائرے سے باہر نہیں نکلتے۔ شاعر اپنے دکھ کو نوحہ نہیں بناتا بلکہ اسے ایک مہذب داخلی تجربے کی صورت پیش کرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ دہلی کے ادب میں درد کی تاثیر زیادہ دیر پا اور گہری محسوس ہوتی ہے۔ یہ ادب قاری کو شور سے متاثر نہیں کرتا بلکہ خاموشی سے اس کے دل میں اترتا ہے۔

سید عابد علی عابد گداز کی تعریف بیان کرتے ہوئے غالب کے شعر کی مثال دیتے ہیں:

"انسانی زندگی یا تجربات کی وہ صفت جو رحم اور ہمدردی کے جذبات پیدا کرے یا خارجی حالات میں کوئی ایسا تغیر جس سے یہی ذہنی کیفیت پیدا ہو، گداز کہلاتی ہے۔۔۔۔۔" غالب پر جو کچھ بتی ہے وہ ہم پر روشن ہے، اس نے اشعار بھی اس سلسلے میں بہت جاندار اور شاندار کہے ہیں:

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسد

ڈرتا ہوں آئینے سے کہ مردم گزیدہ ہوں (3)

یہی گداز دبستانِ دہلی کی روح ہے۔ یہاں لفظ دکھ کو بیان نہیں کرتے بلکہ محسوس کرواتے ہیں۔ احساس کی یہی تہذیب دہلی کے ادب کو سطحی جذباتیت سے بلند کر کے ایک فکری اور جمالیاتی وقار عطا کرتی ہے۔

دبستانِ دہلی کی ایک نمایاں خصوصیت اس کی داخلیت ہے۔ دہلی کے شعر اور ادب خارجی مظاہر کی چمک دمک سے زیادہ انسانی باطن کے اسرار و کیفیات پر توجہ دیتے ہیں۔ ان کے ہاں اصل اہمیت اس داخلی دنیا کی ہے جہاں انسان اپنے وجود، تقدیر، محرومی اور روحانی اضطراب سے روبرو ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ دہلی کی شاعری میں احساس کی گہرائی اور فکر کی تہہ داری نمایاں نظر آتی ہے۔

میر کی شاعری اس داخلیت کی بہترین مثال ہے۔ ان کے ہاں عشق، جدائی، تنہائی اور شکستگی محض خارجی واقعات نہیں بلکہ انسانی روح کی داخلی وارداتیں ہیں۔ غالب کے ہاں یہی داخلیت فلسفیانہ سوالات اور وجودی شعور میں تبدیل ہو جاتی ہے، جہاں انسان اپنی ہستی، کائنات اور تقدیر کے اسرار سے نبرد آزما دکھائی دیتا ہے۔

دبستانِ دہلی کی ایک اور اہم خصوصیت اس کا تہذیبی وقار ہے۔ دہلی کی تہذیب نے ادب کو محض اظہار کا وسیلہ نہیں رہنے دیا بلکہ اسے تہذیبی تربیت اور اخلاقی شعور کا مظہر بنا دیا۔ یہاں زبان میں شائستگی، لہجے میں نرمی، اور اظہار میں وقار پایا جاتا ہے۔ دہلی کے شعر اور ادب جذبات کی شدت کے باوجود تہذیب کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔

یہی تہذیبی شائستگی دہلی کے اسلوب کو ایک خاص وقار عطا کرتی ہے۔ یہاں طنز بھی مہذب ہے، شکایت بھی نرم ہے، اور محبت بھی وقار کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ دہلی کے ادب میں جذبات کبھی بے مہار نہیں ہوتے بلکہ تہذیبی ضبط کے ساتھ اظہار پاتے ہیں۔

دبستانِ دہلی کی فکری بنیادوں میں تصوف کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ دہلی کی خانقاہی روایت نے اس دبستان کے ادبی شعور کو گہرے طور پر متاثر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ دہلی کے ادب میں انسان دوستی، قناعت، فناء پرستی کا احساس، روحانی جستجو اور اخلاقی وقار نمایاں عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

دہلی کے شعرا کے ہاں عشق محض جسمانی یا رومانوی جذبہ نہیں بلکہ ایک روحانی تجربہ بھی بن جاتا ہے۔ انسان کی بے بسی، دنیا کی ناپائیداری، اور ذات کی شکستگی جیسے موضوعات دراصل اسی صوفیانہ شعور کی پیداوار ہیں۔ یہی روحانی آگہی دہلی کے ادب کو محض جذباتی اظہار سے بلند کر کے فکری گہرائی عطا کرتی ہے۔

دبستانِ دہلی کی زبان اپنی سادگی، سلاست اور محاوراتی حسن کے باعث اردو ادب میں منفرد مقام رکھتی ہے۔ دہلی کے ادبانے زبان کو زندگی کے قریب رکھا۔ ان کے ہاں روزمرہ، محاورہ، نرم آہنگی اور بے ساختگی اس طرح جلوہ گر ہوتی ہے کہ زبان تصنع سے پاک ہو کر ایک فطری موسیقیت اختیار کر لیتی ہے۔

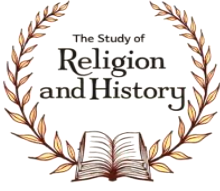
"باغ و بہار" سے لے کر غالب کے خطوط تک، دہلی کی زبان میں ایک ایسی تہذیبی محسوس ہوتی ہے جو نہ صرف اظہار کو دلنشین بناتی ہے بلکہ قاری کو ایک مخصوص تہذیبی فضا میں بھی داخل کر دیتی ہے۔ یہی زبان بعد میں اردو نثر کی معیاری روایت بنی۔

دبستانِ دہلی کی ایک اور اہم خوبی اختصار میں وسعت معنی پیدا کرنا ہے۔ دہلی کے شعرا کم لفظوں میں گہرے احساسات اور وسیع فکری جہات کو سمو دینے کا ہنر رکھتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کے اشعار بظاہر سادہ ہوتے ہوئے بھی کئی تہوں پر مشتمل محسوس ہوتے ہیں۔

غالب کے ہاں یہی اختصار فلسفیانہ معنویت اختیار کر لیتا ہے، جبکہ میر کے ہاں یہی کم گوئی درد کی شدت کو مزید بڑھا دیتی ہے۔ دہلی کے ادب میں لفظ کم اور معنی زیادہ ہوتے ہیں، اور یہی اس کی سب سے بڑی فنی قوت ہے۔

یوں دبستانِ دہلی کی ادبی روایت سوز و گداز، داخلیت، تہذیبی وقار، صوفیانہ شعور، زبان کی سلاست اور معنوی گہرائی جیسے عناصر کے امتزاج سے تشکیل پاتی ہے۔ یہی اوصاف اس دبستان کو اردو ادب کی تاریخ میں ایک منفرد، باوقار اور دائمی ادبی روایت کی حیثیت عطا کرتے ہیں۔

دبستانِ دہلی نے اردو شاعری کو صرف ایک اسلوب یا طرزِ اظہار ہی عطا نہیں کیا بلکہ اسے ایک ایسا تہذیبی شعور، فکری وقار اور جمالیاتی سست فراہم کی جس نے اردو کے شعری مزاج کی بنیادوں کو ہمیشہ کے لیے متعین کر دیا۔ اردو شاعری کی داخلی ساخت، اس کی معنوی گہرائی، جذباتی تہذیب اور لسانی شائستگی پر دبستانِ دہلی کے اثرات اس



قدر گہرے اور دیرپا ہیں کہ اردو شاعری کی تاریخ اس دبستان کے ذکر کے بغیر نامکمل محسوس ہوتی ہے۔ دہلی کے شعری اسلوب نے اردو غزل کو محض عشقیہ اظہار کی روایت سے بلند کر کے انسانی باطن، روحانی اضطراب اور تہذیبی شعور کی ترجمان بنادیا۔

دبستان دہلی کا سب سے نمایاں اثر اردو شاعری میں داخلیت اور باطنی تجربے کے فروغ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ دہلی کے شعر انے خارجی مظاہر، رنگینی اور سطحی جذبات کے بجائے انسانی روح کے داخلی اضطراب، تنہائی، محرومی اور روحانی کشش کو موضوع بنایا۔ اس دبستان نے شاعری کو محض حسن و عشق کی رسمی داستانوں سے نکال کر انسانی وجود کے گہرے تجربے سے جوڑ دیا۔

میر تقی میر کی شاعری اس داخلیت کی سب سے بڑی مثال ہے۔ ان کے ہاں عشق خارجی واقعہ نہیں بلکہ روح کا زخم بن جاتا ہے۔ ان کے اشعار میں درد ایک ایسی خاموش لہر کی طرح محسوس ہوتا ہے جو آہستہ آہستہ قاری کے باطن میں اترتی چلی جاتی ہے۔ یہی داخلی احساس بعد میں غالب کے ہاں فلسفیانہ اور وجودی شعور میں تبدیل ہو جاتا ہے، جہاں انسان اپنی ہستی، تقدیر اور کائنات کے اسرار سے سوال کرتا دکھائی دیتا ہے۔ یوں دبستان دہلی نے اردو شاعری کو خارجی منظر نگاری کے بجائے داخلی کائنات کی وسعتوں سے روشناس کرایا، اور یہی روایت آگے چل کر اردو غزل کی سب سے بڑی شناخت بن گئی۔ دبستان دہلی نے اردو شاعری کو سادگی، فطری پن اور بے ساختگی کا وہ جمال عطا کیا جو بعد کے شعری اسالیب کے لیے معیار کی حیثیت اختیار کر گیا۔ دہلی کے شعر انے تصنع، مبالغہ اور غیر ضروری صنعت گری سے گریز کرتے ہوئے احساس کی صداقت کو اہمیت دی۔ ان کے ہاں زبان میں نرم آہنگی، محاوراتی روانی اور تہذیبی شائستگی پائی جاتی ہے۔ اس دبستان کے اثر سے اردو شاعری میں یہ شعور پیدا ہوا کہ اصل حسن لفظوں کی چمک دمک میں نہیں بلکہ معنی کی گہرائی اور احساس کی سچائی میں ہے۔ یہی سبب ہے کہ میر، غالب، درد اور سودا جیسے شعرا کے اشعار بظاہر سادہ ہونے کے باوجود اپنے اندر گہری معنویت رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری میں الفاظ شور نہیں مچاتے بلکہ خاموشی کے ساتھ دل میں اترتے ہیں۔ دہلی کی اسی سادگی نے اردو غزل کو ایک ایسا تہذیبی وقار عطا کیا جس میں اظہار کی شائستگی اور احساس کی گہرائی ایک ساتھ جلوہ گر ہوتی ہیں۔

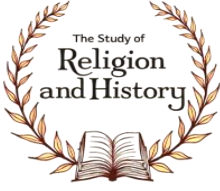
دبستان دہلی کا اردو شاعری پر ایک نہایت اہم اثر اس کے سوز و گداز کی روایت ہے۔ دہلی کے تاریخی زوال، تہذیبی شکست و ریخت اور اجتماعی محرومی نے اس کے شعرا کے احساسات میں ایک مستقل حزن پیدا کر دیا تھا۔ یہی حزن اردو شاعری میں سوز و گداز کی صورت ظاہر ہوا۔ مگر دہلی کا یہ سوز محض جذباتی شور یا نوہ گری نہیں بلکہ ایک تہذیب یافتہ اور ضبط شدہ کیفیت ہے۔ یہاں غم خاموشی سے بولتا ہے، اور درد اپنی شدت کے باوجود وقار کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ یہی تہذیبی حزن اردو شاعری میں ایک نئی جمالیات پیدا کرتا ہے، جہاں دکھ انسانی تجربے کی گہرائی کا استعارہ بن جاتا ہے۔ میر کی شاعری میں یہی سوز آہ بن کر ابھرتا ہے، جبکہ غالب کے ہاں یہی کرب فکری پیچیدگی اور فلسفیانہ شعور اختیار کر لیتا ہے۔ بعد کے شعرا نے بھی اسی روایت کو مختلف انداز میں آگے بڑھایا، مگر اس کی اصل بنیاد دبستان دہلی ہی نے فراہم کی۔

دبستان دہلی نے اردو غزل کو محض عشقیہ شاعری کی سطح سے بلند کر کے فکری اور تہذیبی وقار عطا کیا۔ دہلی کے شعر انے ہاں عشق محض محبوب کی تعریف یا حسن کی پرستش نہیں بلکہ انسانی وجود، روحانی اضطراب، محرومی، فنا پذیری اور تقدیر کے شعور سے جڑا ہوا ایک گہرا تجربہ ہے۔

غالب نے اسی روایت کو مزید وسعت دی اور غزل کو فلسفے، خود آگہی اور کائناتی سوالات سے ہم آہنگ کر دیا۔ ان کے ہاں فکر اور احساس اس طرح باہم مدغم ہو جاتے ہیں کہ شعر محض جذباتی اظہار نہیں رہتا بلکہ ایک فکری تجربہ بن جاتا ہے۔ یہی روایت بعد میں اقبال، فراق، فیض اور دیگر شعرا کے ہاں بھی مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوتی ہے، مگر اس کی ابتدائی فکری بنیاد دہلی کے شعری دبستان نے ہی فراہم کی۔

دبستان دہلی نے اردو شاعری کی زبان کو بھی گہرے طور پر متاثر کیا۔ دہلی کے شعر انے زبان کو زندگی کے قریب رکھا۔ ان کے ہاں محاورہ، روزمرہ، نرم آہنگی اور فطری روانی اس طرح جلوہ گر ہوتی ہے کہ شعر میں ایک خاص تہذیبی موسیقیت پیدا ہو جاتی ہے۔ دہلی کی زبان نہ صرف سادہ اور شستہ ہے بلکہ اس میں ایک تہذیبی وقار بھی محسوس ہوتا ہے۔ یہی زبان بعد میں اردو شاعری کی معیاری زبان قرار پائی۔ دہلی کے شعری اسلوب نے اردو کو ایک ایسی ادبی زبان عطا کی جو جذبات کی لطافت اور فکری گہرائی دونوں کو اپنے اندر سمو سکتی تھی۔

دبستان دہلی نے اردو شاعری میں رمزیت اور معنوی تہہ داری کو بھی فروغ دیا۔ دہلی کے شعرا کم لفظوں میں وسیع انسانی تجربات اور گہرے فکری امکانات کو سمو دینے کا ہنر رکھتے تھے۔ ان کے اشعار بظاہر سادہ دکھائی دیتے ہیں مگر ان کے باطن میں کئی سطحوں پر معنی پوشیدہ ہوتے ہیں۔ غالب کی شاعری اس معنوی تہہ داری کی بلند ترین



مثال ہے، جہاں ایک ہی شعر مختلف فکری زاویوں سے نئے معنی پیدا کرتا ہے۔ میر کے ہاں بھی یہی رمزیت درد کو زیادہ اثر انگیز بنا دیتی ہے۔ یوں دبستانِ دہلی نے اردو شاعری کو فکری گہرائی اور معنوی وسعت عطا کی۔

دبستانِ دہلی نے اردو شاعری میں تہذیبی اور اخلاقی شعور کو بھی مستحکم کیا۔ دہلی کے شعر اکے ہاں انسان دوستی، قناعت، شائستگی، صبر اور وقار بنیادی اقدار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے ادب میں جذبات کے اظہار کے ساتھ ایک اخلاقی سنجیدگی بھی پائی جاتی ہے۔ یہ تہذیبی شعور اردو شاعری کو محض جذباتی اظہار سے بلند کر کے انسانی تہذیب اور روحانی آگہی کا ترجمان بنا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دہلی کی شعری روایت آج بھی اردو ادب میں فکری سنجیدگی، تہذیبی وقار اور جمالیاتی اعتدال کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

یوں کہا جاسکتا ہے کہ دبستانِ دہلی نے اردو شاعری کے اسالیب کو داخلیت، سادگی، سوز و گداز، فکری گہرائی، تہذیبی وقار، معنوی تہہ داری اور لسانی شائستگی جیسے اوصاف عطا کیے۔ یہی عناصر اردو شاعری کی شناخت بن گئے اور بعد کی شعری روایتوں نے کسی نہ کسی صورت انہی بنیادوں پر اپنی تعمیر کی۔

چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ایک آنکھوں میں کب نہیں آتا

لہو آتا ہے جب نہیں آتا (4)

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں، کچھ نہ دوانے کام کیا

دیکھا اس بیمارِ دل نے آخر کام تمام کیا (5)

دبستانِ دہلی نے اردو نثر کی تشکیل و ارتقا میں جو کردار ادا کیا، وہ اردو ادب کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر اردو شاعری کو دہلی نے داخلیت، سوز اور تہذیبی وقار عطا کیا تو اردو نثر کو بھی اسی دبستان نے سادگی، شائستگی، محاوراتی روانی، فکری سنجیدگی اور تہذیبی شعور جیسی بنیادی خصوصیات سے آراستہ کیا۔ دہلی کی نثر محض معلومات کی ترسیل کا ذریعہ نہیں رہی بلکہ تہذیبی زندگی، فکری اعتدال اور ادبی نفاست کی آئینہ دار بن گئی۔ یہی وجہ ہے کہ اردو نثر کے اولین مستند نقوش دہلی کی ادبی فضا ہی میں نمایاں ہوتے ہیں۔

دبستانِ دہلی کی نثر کا سب سے نمایاں وصف اس کی سادگی اور بے ساختگی ہے۔ دہلی کے نثر نگاروں نے زبان کو تصنع، ثقالت اور مصنوعی عبارت آرائی سے پاک رکھا۔ ان کے ہاں عبارت میں ایک ایسی فطری روانی پائی جاتی ہے جو زندگی کے روزمرہ تجربے سے ہم آہنگ محسوس ہوتی ہے۔ یہی اسلوب آگے چل کر اردو نثر کی معیاری روایت قرار پایا۔ میر امن کی باغ و بہار اس کی سب سے روشن مثال ہے، جہاں دہلی کے روزمرہ، محاورے اور تہذیبی لہجے نے اردو نثر کو ایک مستقل شناخت عطا کی۔ ڈاکٹر عبدالرحیم جاگیر دار دہلی کی نثری روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

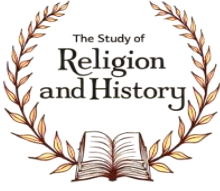
”دہلی کے نثر نگاروں نے اردو زبان کو سادگی، محاوراتی صفائی اور تہذیبی شائستگی عطا کی۔ ان کے یہاں عبارت میں تصنع نہیں بلکہ فطری روانی اور زندگی سے قربت پائی جاتی ہے۔“ (6)

دہلی کی نثر نے اردو ادب میں محاوراتی زبان کے استعمال کو فروغ دیا۔ اس دبستان کے ادبا نے زبان کو عوامی زندگی سے جوڑے رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ دہلی کی نثر میں تکلف کے بجائے گفتگو کی سی دلکشی محسوس ہوتی ہے۔ سر سید احمد خاں، حالی، شبلی اور غالب کے خطوط اسی روایت کے ارتقائی مظاہر ہیں۔ خصوصاً غالب کے خطوط نے اردو نثر کو رسمی اور مصنوعی انداز سے نکال کر زندہ مکالمے کی سطح پر پہنچا دیا۔

ڈاکٹر سید عابد علی عابد غالب کی نثر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”غالب نے اردو نثر کو تکلف کی فضا سے نکال کر زندگی کی فضا میں پہنچا دیا۔ ان کے خطوط میں گفتگو کی سی روانی، بے تکلفی اور شگفتگی پائی جاتی ہے۔“ (7)

دبستانِ دہلی کا ایک اہم اثر اردو نثر میں تہذیبی وقار اور اخلاقی سنجیدگی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ دہلی کی تہذیب نے ادب کو محض اظہار کا ذریعہ نہیں سمجھا بلکہ اسے اخلاقی تربیت اور فکری اصلاح کا وسیلہ بھی بنایا۔ اسی لیے دہلی کے نثر نگاروں کے ہاں زبان میں شائستگی، استدلال اور تہذیبی اعتدال نمایاں نظر آتا ہے۔ سر سید کی نثر میں یہی عقلی سنجیدگی اور تہذیبی شعور پوری قوت کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔



مولانا الطاف حسین حالی سرسید کی نثر کے متعلق لکھتے ہیں:

”سرسید نے اردو زبان کو علمی مطالبہ ادا کرنے کے قابل بنایا اور اس میں سادگی، استدلال اور سنجیدگی پیدا کی۔“ (8)

دبستانِ دہلی کی نثر پر تصوف اور روحانی شعور کے اثرات بھی نمایاں ہیں۔ دہلی کی خانقاہی روایت نے نثر میں نرم لہجہ، انسان دوستی اور اخلاقی وقار پیدا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ دہلی کے نثر نگاروں کے ہاں اصلاحی پہلو کے باوجود سختی یا خطیبانہ آہنگ کم اور تہذیبی نرمی زیادہ پائی جاتی ہے۔
ڈاکٹر ابوالخیر کشنی لکھتے ہیں:

”دہلی کی تہذیب نے اردو ادب میں انسان دوستی، شائستگی اور روحانی وقار کو فروغ دیا، اور یہی عناصر اس کی نثر میں بھی نمایاں ہیں۔“ (9)

دبستانِ دہلی نے اردو نثر کو علمی اور فکری اظہار کی وسعت بھی عطا کی۔ اس دبستان کے زیر اثر اردو نثر محض داستانوی یا تفریحی روایت تک محدود نہ رہی بلکہ اس میں تنقید، تحقیق، تاریخ، سوانح، صحافت اور اصلاحی ادب جیسی اصناف نے بھی ترقی پائی۔ سرسید تحریک کے ذریعے دہلی کی نثر میں جدید علمی شعور داخل ہوا، جس نے اردو زبان کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کر دیا۔

ڈاکٹر سلیم اختر اس ضمن میں لکھتے ہیں:

”دہلی کی نثر نے اردو ادب کو تہذیبی وقار کے ساتھ علمی اور فکری سنجیدگی بھی عطا کی، اور یہی روایت بعد میں جدید اردو نثر کی بنیاد بنی۔“ (10)

دہلی کی نثری روایت کا ایک اور اہم وصف اختصار اور معنوی گہرائی ہے۔ دہلی کے ادباء کم لفظوں میں وسیع مفہیم ادا کرنے کا ہنر رکھتے تھے۔ ان کی نثر میں عبارت آرائی کم مگر فکری تاثیر زیادہ ہوتی ہے۔ غالب کے خطوط، حالی کے مقدمات، اور شبلی کی علمی نثر اسی اسلوب کی نمائندہ مثالیں ہیں۔

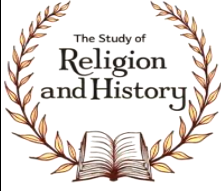
یوں کہا جاسکتا ہے کہ دبستانِ دہلی نے اردو نثر کو سادگی اور بے ساختگی، محاوراتی روانی، تہذیبی وقار، فکری سنجیدگی، اخلاقی و روحانی شعور، علمی و تنقیدی وسعت اور معنوی گہرائی

جیسے اوصاف عطا کیے۔ یہی خصوصیات آگے چل کر اردو نثر کی معیاری روایت بنیں اور بعد کے تمام بڑے نثر نگار کسی نہ کسی صورت دہلی کے اسی ادبی اور تہذیبی دبستان سے فیض یاب ہوتے رہے۔ دبستانِ دہلی اردو ادب کی محض ایک شعری روایت یا اسلوبی جہت نہیں بلکہ ایک مکمل تہذیبی، فکری اور جمالیاتی نظام کی حیثیت رکھتا ہے، جس نے اردو زبان و ادب کی داخلی ساخت، فکری سمت اور اظہار کے مزاج کو گہرے طور پر متاثر کیا۔ اس دبستان کی تشکیل دہلی کے اس تہذیبی ماحول میں ہوئی جہاں صوفیانہ فکر، سیاسی عروج و زوال، تاریخی سانحات اور روحانی اقدار ایک دوسرے سے پیوست ہو کر انسانی شعور کی نئی جہات متعین کرتے رہے۔ یہی سبب ہے کہ دہلی کے ادب میں داخلیت، سنجیدگی، تہذیبی وقار اور ضبط شدہ جذبات بنیادی حیثیت اختیار کر گئے۔

دبستانِ دہلی کی سادگی محض لفظی سہولت یا فنی سادگی نہیں بلکہ ایک باقاعدہ جمالیاتی اصول ہے۔ دہلی کے شعر اور نثر نگاروں نے شعوری طور پر نقص، لفظی آرائش اور غیر ضروری صنعت گری سے گریز کیا تا کہ انسانی تجربے اور احساس کی اصل تاثیر برقرار رہ سکے۔ اس دبستان میں لفظ کو معنی پر فوقیت حاصل نہیں بلکہ لفظ کو معنی کی ترسیل کا شفاف وسیلہ تصور کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دہلی کی زبان میں فطری پن، محاوراتی روانی اور تہذیبی شائستگی ایک ساتھ جلوہ گر ہوتی ہیں۔ مزید برآں اس تحقیق سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ دہلی کے ادبی مزاج میں سوز و گداز ایک گہرے تاریخی اور نفسیاتی شعور کی پیداوار ہے۔ دہلی کے سیاسی و تہذیبی زوال، مسلسل اجتماعی صدمات اور داخلی شکست و ریخت نے یہاں کے اہل قلم کے احساسات میں ایک ایسا دائمی حزن پیدا کیا جس نے ادب کو سطحی جذباتیت کے بجائے داخلی کرب اور فکری سنجیدگی عطا کی۔ یہی سبب ہے کہ دبستانِ دہلی کا سوز چھج و پکار یا جذباتی ہجمن کی صورت میں ظاہر نہیں ہوتا بلکہ تہذیبی وقار اور ضبط کے ساتھ متن میں سرایت کر جاتا ہے۔

شعری سطح پر میر تقی میر اور غالب جیسے شعر اکے کلام سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ دہلی کی غزل خارجی آرائش کے بجائے داخلی تجربے کی ترجمان ہے۔ یہاں عشق ایک نمائشی جذبہ نہیں بلکہ انسانی وجود کے کرب، محرومی، تنہائی اور باطنی اضطراب کی علامت بن جاتا ہے۔ دہلی کے شعری اسلوب میں سادگی اور سوز اس طرح باہم مربوط ہیں کہ زبان کی بے ساختگی معنی کی گہرائی کو مزید مؤثر بنا دیتی ہے۔

نثری سطح پر بھی دہلی کے ادبی مزاج کی یہی خصوصیات نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی ہیں۔ ”باغ و بہار“، سرسید احمد خاں کی نثر اور اشرف صوبی کی تحریروں اس امر کی واضح مثال ہیں کہ دہلی کی نثر میں سادگی، روزمرہ، تہذیبی شائستگی اور داخلی تاثیر بنیادی عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان متون میں زبان محض اظہار کا ذریعہ نہیں رہتی بلکہ



تہذیبی شعور کی آئینہ دار بن جاتی ہے۔ دبستانِ دہلی اور دبستانِ لکھنؤ دو مختلف تہذیبی اور جمالیاتی روٹیوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ دہلی کا اسلوب داخلیت، ضبط اور فکری سنجیدگی پر قائم ہے، جب کہ لکھنؤ کا اسلوب خارجیت، نزاکت اور اسلوبی آرائش کا حامل ہے۔ یہی فرق دہلی کی ادبی روایت کو ایک منفرد تہذیبی شناخت عطا کرتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ دبستانِ دہلی نے اردو ادب کو نہ صرف ایک شائستہ اور مؤثر زبان عطا کی بلکہ اسے ایک ایسا فکری اور تہذیبی شعور بھی بخشا جس میں انسان دوستی، داخلی کرب، تہذیبی وقار اور جمالیاتی اعتدال نمایاں طور پر جلوہ گر ہیں۔ یہی عناصر دبستانِ دہلی کو اردو ادب کی تاریخ میں ایک دائمی اور بنیادی ادبی روایت کے طور پر مستحکم کرتے ہیں۔

حوالہ جات

- 1۔ ابوالخیر کشفی ڈاکٹر، "اردو شاعری کا سیاسی اور تاریخی پس منظر" (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن: اشاعت دوم ۲۰۱۹ء) ص: ۳۳۵
- 2۔ عابد علی عابد ڈاکٹر، "اسلوب" (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء) ص: ۹۹
- 3۔ ایضاً۔ ص: ۱۴۱-۱۴۰
- 4۔ یادو عظیم مرتبہ "دیوان میر مع فرہنگ" (راولپنڈی: زمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء) ص: ۲۲
- 5۔ ایضاً۔ ص: ۴۱
- 6۔ عبدالرحیم جاگیر دار، اردو شعور کا دہلیوی دبستان، شاہین مار پبلی کیشنز، حیدر آباد، ۱۹۷۵ء، ص: ۵۱۲۔
- 7۔ ڈاکٹر سید عابد علی عابد، اسلوب، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص: ۱۱۸۔
- 8۔ مولانا الطاف حسین حالی، حیات جاوید، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص: ۹۷۔
- 9۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، اردو شاعری کا سیاسی اور تاریخی پس منظر، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، اشاعت دوم، ۲۰۱۹ء، ص: ۳۳۵۔
- 10۔ ڈاکٹر سلیم اختر، تنقیدی دبستان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص: ۱۴۳۔